Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 4, Issue 3
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

طاہرہ غفور
لیکچر ا ر اردو ،گورنمنٹ گریجویٹ کالج سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی
ڈاکٹر غزل یعقوب
ٹیچنگ ریسرچ ایسوسی ایٹ بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد

مرزا ہادی رسوا کا اسلوبیاتی مطالعہ

Tahira Ghafoor
lecturer Urdu Government graduate college satellite Town Rawalpindi
Dr. Ghazal yaqoob
teaching research associate International Islamic university Islamabad

Study of Mirza Hadi Ruswa's writing style

Mirza Hadi Ruswa (1857_1931) is one of Mirza Hadi Ruswa's writing style is marked by its unique blend of prose and poetry, resulting in a distinctive and eloquent narrative. His most renowned work, "Umrao Jaan Ada," exemplifies this stylistic fusion, making his writing captivating and melodious.Ruswa's prose is characterized by a rich vocabulary, intricate sentence structures, and a sense of refinement. He weaves poetic elements into his narrative, creating a lyrical quality that engages the reader. Through meticulous attention to detail and vivid descriptions, Ruswa breathes life into his characters and settings, allowing readers to immerse themselves fully in the story. Beyond its aesthetic appeal, Ruswa's style serves as a vehicle for social commentary, exploring themes of love, society, and the human condition with subtlety and insight. His literary finesse endures as a timeless treasure in Urdu literature, ensuring his lasting legacy as a masterful writer. the famous and well-known classic writers of Urdu. Mirza Hadi’s reason for fame is his novel Umrao Jaan Ada.He was a versatile genius and one of the pioneer of the Urdu novel. The present study analysis the writing style of Hadi Ruswa especially in the context of his novels.

Keyword: Famous, Classic Writers, Versatile Genius, Pioneer.

کلیدی الفاظ: تقلیدی ادب ،جدت بیان ،داستانوی عنصر ،منطقی استدلال۔

اردو ادب نے ایک زوال پذیر معاشرے میں جنم لیا اور حالت کچھ ایسی تھی کہ بقول میتھیو آرنلڈ ایک دنیا مر رہی تھی اور دوسری میں جنم لینے کی سکت نہیں تھی۔معاشرتی، سماجی اور سیاسی زبوں حالی نے عوام میں بے حسی اور بے چینی پیدا کر دی تھی۔ قا بض سیاسی طور پر مستحکم ہو چکے تھے۔ادیب اس صورت حال سے پریشان تھے۔شاعروں اور نثرنگاروں نے اخلاق و آداب کے موضوعات پر لکھنا شروع کر دیا۔اعلیٰ طبقہ عیش و عشرت میں مگن تھا۔داستانوں میں زیادہ تر ایک خیالی دنیا ملتی تھی جس میں ما فوق الفطرت واقعات اور عشق و عاشقی پر زور تھا۔ایک بے قراری کی سی کیفیت تھی۔ سر سید احمد خان کے زیر اثرحالیؔ، شبلیؔ، حسینؔ اورآزادؔ نے بھی اصلاحی تحریک کے زیر اثر ادب پر توجہ دی۔

مولوی کریم الدین نے پہلے سے موجود ادبی روایات سے ہٹ کر زندگی کی حقیقتوں کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی۔ڈپٹی نذیر احمد نے ان کی پیروی میں مقصدیت نگاری پر لکھنا شروع کیا۔سر شارؔ نے اودھ کے زوال پزید معاشرے کو پیش کیا تو منشی سجاد نے مزاحیہ ناول کی داغ بیل ڈالی۔مولانا عبدالحلیم شررؔ نے تاریخی ناولوں کے ذریعے تابناک ماضی کو پیش کیا۔ قاری سر فراز عزمی نے طوائفوں کی زندگی پر ناول نگاری کی۔

مرزا ہاری رسوا جنھیں سائنسی تجربات، فلسفہ، نفسیات اور منطق سے لگاؤ تھا۔ان کی ناول نگاری فنی غیر جانبداری کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہے۔انہوں نے امریکہ سے پی ایچ ڈی کی۔انھوں نے بہت سی انگریزی کتابوں کے تراجم بھی کیے۔ موسیقی میں علامات بنائیں۔اردو ٹائپ رائٹر کے لیے بھی کام کیا۔وہ مالی طور پر زیادہ مستحکم نہیں تھے اور اسی ضرورت کے تحت ناول نگاری کی۔پبلشر کو جب معلوم ہوتا کہ انہیں پیسوں کی ضرورت ہے تو کچھ پیسے پیشگی دے کر کسی کتاب کا ترجمہ کروا لیتا یا ناول لکھوا لیتا۔ان حالات میں اردو کے شاہکارناول امراؤ جان ادا کی تخلیق کسی کارنامے سے کم نہیں۔اس سے پہلےانھوں نے افشائے راز، ذات شریف اور اختری بیگم جیسے ناول لکھے تھے۔لیکن جو مقام امراؤ جان ادا کو حاصل ہوا ، وہ کسی اور ناول کو حاصل نہ تھا۔مرزا ہادی رسوا نے ناول نگاری میں حقیقت نگاری کو بہت اہمیت دی۔جیسا کہ رسو اؔ شریف زادہ کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

" ہم نے اپنی تحریر کا یہی اصول قرار دیا کہ جو چیز ہماری نظر سے گزر گئی اور ان سے ہماری طبیعت خود متاثر ہوئی اسی کو ناول میں لکھ دیتے ہیں۔اصل منشا ہمارا اس افسانہ نویسی سے نظام معاشرت کے واقعات کے فراہمی ہے۔"[۱۱]

شریف زادہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زیادہ تر کردار اور واقعات حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً ناول کی ہیروئن" مگن" رسواؔ کی وہی خالہ زاد بہن ہے جس سے رسوا محبت کرتے تھے۔لیکن کچھ مجبوریوں کی وجہ سے شادی نہ کر سکے اور ناول کا ہیرو "ذ کی" خودمرزا رسوا ہیں۔

رسوانے اپنے ناولوں کو موجودہ دور کی تاریخ کہا ہے۔رسوا کی اس بات کو ہم ڈاکٹر احسن فاروقی کے الفاظ میں اس طرح واضح کرتے ہیں کہ :

" فیلڈنگ سے لے کر ٹھیکرے تک سبھی واقعیت نگاروں نے اپنے ناولوں کو تاریخ ہی کہا ہے اور رسوا بھی ان کے ہم نواہیں۔وہ سر شار سے آگے یوں نکل گئے کہ سرشار زندگی کودھندلی اور یک طرفہ نظر سے دیکھتے ہیں اور شرر سے آگے یوں بڑھ جاتے ہیں کہ شرر ناول کو داستان سمجھتے رہے اور تاریخ کو بھی داستان بنا لیا۔اس طرح وہ واقعیت میں تمام ناول نگاروں سے بڑھ جاتے ہیں۔"[۱۲]

مرزا رسوا نے اس زمانے میں ناول نگاری کا آغاز کیا جب نذیر احمد کے اصلاحی ناول، سر شار کے تہذیبی قصے اور شرر کے تاریخی ناول مقبول عام تھے۔مرزا رسو ا کے ناول امراؤ جان ادا کی مقبولیت کی اہم وجہ بھی یہی تھی کہ وہ اس ناول میں ان تینوں اسلوب سے فائدہ اٹھا کر ایک الگ اسلوب سامنے لائے۔

سر شار کی طرح رسوانے ناول امراؤ جان ادا میں نہ صرف معاشرے کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کیں بلکہ شرر کی طرح تاریخ کو بھی اہمیت دی۔شررؔ نے اپنے ناولوں میں نوابوں کی عیش پرستی ، طوائفوں کی بےاعتنائیاں اور چور ڈاکوؤں کی

شورہ دستیوں کی اتنے موثر انداز میں تصویر کشی کی ہے کہ لکھنوی تہذیب کی جھلک ہماری آنکھوں کے سامنے گھوم جاتی ہے ۔اس کے علاوہ بدیسی تاجروں کا قبضہ اور لوٹ مار کی داستان کو بھی موثر انداز میں پیش کیا۔

رسوا کے اسلوب سے زندگی کے خارجی و اندرونی عناصر کی عکاسی ہوتی ہے۔رسوا کی تحریر سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ منفی کرداروں کے داخل میں کہیں نہ کہیں خیر کا پہلو موجود ہوتا ہے۔رسوا نے معاشرے کے ان بظاہر ناپسندیدہ کرداروں کے داخلی اور نفسیاتی عوامل کا جائزہ لیتے ہوئے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ ان میں بھی خیر کا پہلو موجود ہوتا ہے۔

حالاں کہ ہمارا معاشرہ ان سے نفرت کرتا ہے جیسے ناول امراؤ جان ادا میں دلاورڈاکو امراؤ کو جان سے مار دینا چاہتا ہے۔لیکن اس کا ساتھی پیر بخش امراؤ کو قتل سے بچا لیتا ہے۔رسوا نے برے کردار بھی اس طرح سے پیش کیے ہیں کہ ان سے متعارف ہونےوالا ان سے نفرت کرنے کے بجائے ہمدری کرنے لگتاہے۔ان کے کم تر کرداروں میں بھی زندگی کہ لہر دوڑ تی دکھائی دیتی ہے۔مثلاً کریم بخش کی ساس، امامن، خلیفہ جی ، بوٹن اوراکبر علی خان کی والدہ کو رسوا نے اس انداز سے پیش کیا ہے کہ یہ کردار ذہن میں بس جاتے ہیں۔رسوا نے جعلیہ کرداروں کو بھی بڑی باریک بینی سے پیش کیا ہے۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اچھی قوت مشاہد ہ کے مالک تھے۔

والدین کی وفات کےبعد مرزا رسوا کی سر پرستی ان کے والد کے دوست حیدر بخش نے کی جو جعل ساز تھے۔لٰہذا ان کی قربت میں انہیں باریکی سے منفی کرداروں کے مشاہدہ کا موقع ملا۔دلاور خان، پیر بخش ، اکبر علی خان اورفیض علی ڈاکو جیسے کرداروں کو پورے انصاف سے پیش کیاگیا۔پروفیسر عبدالسلام اپنی کتاب مرزا رسوا اور تہذیبی ناول میں رقم طراز ہیں:

”ہر مصلح کی طرح وہ (رسوا) بھی تصوریت پسند تھے۔انہوں نے اپنے ناولوں میں مخصوص خیالات کو پیش کرنے کے لیے مثالی کردار پیش کیے۔امراؤ جان ایک مثالی طوائف ہے۔اختری بیگم ایک مثالی رئیس زادی ہے۔نواب سلطان ایک مثالی نوا ب ہیں۔مرزا عابد حسین ایک متوسط طبقے کے مثالی انسان ہیں۔ان مثالی کرداروں سے ہم مرعوب تو ضرور ہو جاتے ہیں۔انہیں احترام کی نظرسے بھی دیکھتے ہیں مگر ان سے محبت نہیں کر سکتے۔ان کے جذبات و احساسات میں شریک نہیں ہو سکتے کیوں کہ یہ عام انسان سے بلند ہیں۔“ [۳]

مرزا رسوا کے اسلوب کا ایک اہم پہلو جذبات نگاری ہے۔عام طور پر ناولوں میں کرداروں کی زندگی کے ظاہری معاملات کو پیش کیا جاتا ہے۔اندرونی تاثرات پر زیادہ غور نہیں کیا جاتا۔جب کہ اس بات کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ کردار کی داخلی خواہشات ماحول سے متاثر ہوتی ہیں۔اس میں کچھ حد تک نفسیاتی پہلوؤں کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔ہر کردار کی اپنی فطرت ہوتی ہے جس کے مطابق اس کی شخصیت تشکیل پاتی ہے۔رسوا کا اسلوب اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ وہ اپنے کرداروں کو ان کی اندرونی کشمکش کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔جس سے کردار کی حقیقی تصویر سامنے آ جاتی ہے۔رسوا نے اخلاق معاشرت کی طرف بھی خصوصی توجہ دی۔نوابین کا مضحکہ اڑاتے ہوئے ان کے اندرونی خوف اور انا کو ظاہر کیا۔ان نوابین کو اس وقت اپنی عزت کی کوئی پروا نہیں ہوتی جب وہ عشرت کدوں میں مگن ہوتے ہیں۔ایسی صورت حال میں رسوا اپنے قاری کو نہ صرف زمانے کے نشیب و فراز سے آگاہ کرتے ہیں بل کہ فنی مہارت سے انہیں حالات سدھارنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

رسوا کی جذبات نگاری کے ضمن میں ان کے زیادہ تر کردار جذبات سے پُر دکھائی دیتے ہیں۔مثلاً ناول امراؤ جان ادا میں ایک جگہ پر امراؤ اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کرتی ہیں:

" مرزا صاحب میرے نزدیک ہر عورت کی زندگی میں ایک وہ زمانہ آتا ہے جب وہ چاہتی ہے کہ اسے کوئی چاہے۔۔۔عنفوان شباب سے اس کی ابتدا ہوتی ہے اور سن کے ساتھ ہی اس کی نشوونما ہوتی رہتی ہے۔"[۴]

رسوا جذبات نگاری کے ساتھ ساتھ زندگی کی حقیقتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انسانی ذاتی اغراض کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔امراؤ کی زبانی وہ ناول امراؤ جان ادا میں کہتے ہیں کہ سچی محبت تو بس قصے کہانیوں میں ہی ہوتی ہے۔اس ضمن میں مراسلات کے مرتب ڈاکٹر محمد حسن رقمطراز ہیں :

"مرزا فن کو محض شعور کا کرشمہ سمجھتے تھے بلکہ اس میں انسانی ذہن کے ان گوشوں کی کارفرمائی پر بھی نظر رکھنا چاہتے تھے جو شعور کی قلم کی رو سے باہر ہیں۔"[۵]

رسوا تقلیدی ادب کے خلاف تھے۔خاص طور پر انگریزی کے اردو ادب پر اثرات کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تقلید میں جدت اور تنوع ہونا چاہیے۔اپنےناولوں کو موجودہ زمانے کی تاریخ بتانا ان کے ادبی شعور کی پختگی کی علامت ہے۔افشائے راز کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"براہ مہربانی ان الفاظ اور تراکیب سے معاف کیجیے گا جن کی قوت سبب کثرت استعمال کے بالکل زائل ہوگئی۔اور اب ان میں کسی قسم کی ضرورت باقی نہیں رہی بل کہ ایک طرح کی نفرت خیز عفونت پیدا ہو گئی ہے۔"[۶]

رسوا نے تقریباًاپنی تما م تخلیقات میں جدت بیان کا خاص خیال رکھا ہے۔اس لیے اپنے زمانے میں بھی وہ خاص انداز بیان رکھتے تھے۔ان کےاسلوب میں ایک منفرد تاثر پایا جاتا تھا۔اور جہاں وہ دیکھتے کہ قصے کے اثر میں کمی آ رہی ہے تو کوئی نہ کوئی ایسا سوال اٹھا دیتے جس سے اس کا تاثر کم نہ ہو۔

مرزا رسوا کی مکالمہ نویسی بھی کمال کی ہے۔ان کے مکالموں نے معمولی سے معمولی کردار کو بھی دوام بخشا۔عمیق مشاہدے کی وجہ سے انھیں معاشرے کے اعلیٰ و ادنیٰ ، دونوں طبقوں کی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔لکھنو ٔکی مخصوص زبان اور محاورات ، عورتوں کا مخصوص لہجہ، طوائفوں کے استعارات اورنوابین کے مکالمے اس انداز میں پیش کرتے کہ ناول میں جان ڈال دیتے۔ان کی زبان سادہ اور انداز بے ساختہ ہے۔فقروں کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ گویا ہارمیں موتی پروئے ہوئے ہوں۔نہ تو بہت زیادہ مرصع کاری ہے اور نہ ہی سادگی۔عام فہم زبان استعمال کرکے ناول کا حسن برقرار رکھا گیا ہے۔ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے زبان کے ذریعےشخصیت کا پورا عکس سامنے آجاتا ہے۔نہ صرف داستان کا عنصر قائم رہتا ہے بلکہ ندرت احساس کی مثالیں بھی ملتی ہیں جیسے ناول امراؤ جان ادا میں امراؤ جان مولوی صاحب کی شخصیت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتی ہے:

"کیا کہوں کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔جوان آدمی تھے۔صورت بھی کچھ ایسی نہ تھی۔سانولی رنگت تھی۔چہرے پر ہونق پن سا تھا۔سر پر لمبے لمبے بال تھے۔منہ پر داڑھی تھی۔۔۔بات کرنے کا عجب انداز تھا۔منہ جلدی سے کھلتا تھا پھر بند ہو جاتا تھا۔نیچے کا ہونٹ کچھ عجیب انداز سے اوپر کو چڑھ جاتا تھا۔۔۔اس کے بعد ناک سے کچھ ہو نہہ سا نکلتا تھا۔معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ کھارہے ہیں اورباتیں بھی کرتے جاتے ہیں۔احتیاطاً منہ جلدی سے بند کر لیتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کچھ نکل پڑے۔"[۷]

رسواؔ اپنی زبان کے حوالے سے ماحول کو زندہ کر دیتے ہیں اور منظر کشی تو ایسے کرتے ہیں کہ ناول میں ایک فضا بندھ جاتی۔ان کے ناولوں میں نہ صرف تہذیب وثقافت کی جھلک نظر آتی ہے بلکہ معاشرے کی بھی بہترین عکاسی ہو جاتی ہے۔انہوں نے مظاہر فطرت کی ایسے دلکش انداز میں منظر کشی کی ہے کہ ماحول اور فطرت اپنی پوری خوب صورتی سے عیاں ہو جاتے ہیں اور قاری اپنے آپ کو اسی تہذیب و معاشرے میں محسوس کرتا ہے۔

امراؤ جان ادا میں ایک جگہ ساون کے مہینے کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”ساون کا مہینہ ہے سہ پہر کا وقت ہے۔پانی برس کے کھل گیا ہے۔چوک کے کوٹھوں اور بلند دیواروں پر جا بجا دھوپ ہے۔ ابر کے ٹکڑے آسمان پر ادھر ادھر آتے جاتے نظر آتے ہیں۔پچھم کی طرف رنگ رنگ کی شفق پھولی ہوئی ہے۔“ [۸]

اس منظر کو پڑھنے کے بعد قاری کا دل خود بخود سیر کے لیے مچلنے لگتا ہے۔بقول ڈاکٹر آدم شیخ:

"مرزا رسوا کے ناولوں میں منظر نگاری محض اتفاقی چیز نہیں بلکہ ان کے پیش کردہ مناظر کا ایک ایک جملہ غورو فکر اور منطقی استدلال کا نتیجہ ہے۔"[۹]

مرزا رسواؔ کی شخصیت کا اثر ان کی تحریروں میں بھی نمایاں نظر آتا ہے۔وہ ایک ہمہ صفت شخصیت کے مالک تھے اور یہی رنگینی ان کی تحریر میں بھی نظر آتی ہے۔ان کی شخصیت میں شعر و شاعری اور فکر و فلسفہ کا عنصر نظر آتا ہے اور کبھی کبھی جذبات کا جوش بھی اٹھتا ہے او روہ بھی اس قدر کہ مناظرے کرنا شروع کردیتے ہیں۔

رسوا کے اسلوب کا ایک اہم عنصر سنسنی خیزی بھی ہے جیسے امراؤ جان ادا میں دلاور خان جب امیرن کو اغوا کرکے لے جا رہا ہوتا ہے تو بار بار اسے دھمکی دیتا ہے کہ جان سے مار دوں گا۔اپنی حالت بیان کرتے ہوئے امراؤ جان کہتی ہے کہ:

”یہ بات سن کر مجھے اپنی موت کا یقین ہو گیا۔آنکھ میں آنسو تھم گئے۔دل میں ایک دھچکا لگا، ہاتھ پاؤں ڈال دیے۔یہ حال دیکھ کر موئے کٹر کو ترس نہ آیا اور ایک گھونسہ زور سے میرے کلیجے میں مارا کہ میں بلبلائی قریب تھا کہ گر پڑوں۔“ [۱۰]

یہ صورت حال قاری کو تجسس میں مبتلا کر دیتی ہے کہ دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔ناول امراؤ جان ادا میں ایک اور جگہ نواب چھبن کا خانم سے بحث و تکرار کے بعد نگار خانے سے چلے جانا اور نہاتے ہوئے دریا سے نہ ملنا اس تجسس کو جنم دیتا ہے کہ شاید چھبن دریا میں ڈوب کر مر گیا ہے۔رسوا اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کرتےہیں کہ :

”درحقیقت آپ دریا میں ڈوب گئے تھے۔اس ارادے سے غوطہ لگایا کہ اب نہ ابھریں گے مگر جان بہت پیاری چیز ہوتی ہے۔۔اسی طرح کئی غوطے لگائے مگر ڈوبتے نہ بن پڑا۔آخر اسی کوشش میں بہتے بہاتے چھتر منزل تک پہنچ گئے۔“ [۱۱]

مرزا رسوا کی حقیت نگاری فنی غیر جانبداری کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ناول کو اردو کا پہلا مکمل ناول قرار دیا گیا۔رسوا کا پر شکوہ اسلوب ماحول کی نمائندہ تخلیق ہے۔

امراؤ جان ادا میں رسواؔ نے خانم کے نگار خانے کے ذریعے لکھنؤ میں طوائفوں کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔نواب سلطان جیسے نواب جن کے انگریزوں سے بھی خفیہ تعلقات ہیں اور نواب راشد جیسے نو دو لیتے جو اپنے والد کی لوٹ کھسوٹ پر عیش کرتے ہیں۔لکھنو ٔکی بظاہر چمک دمک والی زندگی کے پیچھے استحصالی قوتیں کار فرما تھیں۔انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے سماجی اقدار کی شکل پیش کی۔رسوا کی رومانویت متوازن ہے۔انہوں نے سلیس عبارت سے کام لیتے ہوئے سادہ سے ناول

تخلیق کیے۔ جسے پڑھ کر پڑھنے والا اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی قسم کی بے چینی اور تناؤ محسوس کرتا ہے۔ مقامی زبان ان کی شعارانہ مہارت کا ثبوت ہے۔

رسوا کا اسلوب خوبصورت رنگوں سے تعبیر ہے اور یہ رنگ، وہ اتنی خوبصورتی سے کینوس پر بکھیرتے ہیں کہ ایک خوبصورت تصویر سامنے آتی ہے اور اس تصویر کو دیکھنے والا تصویر کے نشیب و فراز میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ مرزا محمد ہادی رسوا۔ شریف زادہ۔ (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو)، ص ۴۔ ا
۲۔ محمد احسن فاروقی۔ اردو ناول کی تنقیدی تاریخ۔ (لکھنؤ: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۶۲ء)، ص ۱۳۱۔
۳۔ عبد السلام۔ مرزا رسوا اور تہذیبی ناول۔ (نئی دہلی: اعجاز پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۶ء)، ص ۴۸۔
۴۔ مرزا محمد ہادی رسوا۔ امراؤ جان ادا۔ (لاہور: سیونتھ سکائی پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۹۱۔
۵۔ محمد حسین۔ مرزا رسوا کے تنقیدی مراسلات۔ (علی گڑھ: ادارۂ تصنیف، ۱۹۶۱ء)، ص ۵۔
۶۔ مرزا محمد ہادی رسوا۔ شریف زادہ۔ ص ۵۔
۷۔ مرزا محمد ہادی رسوا۔ امراؤ جان ادا۔ ص ۱۷۰۔
۸۔ ایضاً، ص ۱۳۶۔
۹۔ شیخ آدم۔ مرزا رسوا: حیات اور ناول نگاری۔ (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۸۱ء)، ص ۳۱۹-۳۲۰۔
۱۰۔ مرزا محمد ہادی رسوا۔ امراؤ جان ادا۔ ص ۴۷۔
۱۱۔ ایضاً۔ ص ۲۶۴